مہیب لمحوں میں بھی سکون بخشتا ہے۔ مثلاً نابالغ بچہ یا بچی ماں کی گود سے موت کی آغوش میں چلے جائیں تو وہ والدین کے لئے، جنازہ پڑھنے والے کے لئے توشۂ آخرت ہوتے ہیں وہ جہانِ باقی میں اپنے متعلقین کے سفارشی ہوتے ہیں۔ اور فرطِ غم کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر وفورِ مسرت کی فضا میں لے اڑتے ہیں۔ بالغ مرد و عورت قضا و قدر کے فیصلوں کے سامنے سرنگوں ہو جائیں تو آل و اولاد کو انکی خدمت کے جمیل مواقع میسر آتے ہیں۔ والدین کا قرض ادا کریں تو وہ قبر میں سکون و راحت پائیں گے۔ اولاد انکی قضا نمازوں کا فدیہ ادا کرے تو قبر کی شب ہائے دراز وفورِ نور سے چمک اٹھتی ہے۔ اور اگر والدین اپنی حیاتِ مستعار میں اولاد کو دینِ متین کا کارکن (حافظ و عالم) بنا گئے ہیں۔ تو انکی قبر اندھیروں سے ناآشنا ہوگی، اجالوں کی وادی بن جائے گی۔ خدمتِ دین کا آفتاب خلد میں طلوع ہوگا جس کے طلوع کے لئے کبھی غروب نہیں ـــــ گزشتہ دنوں ہمارے ماحول سے چند ایسے بزرگ دوست اور عزیز رخصت ہوئے ہیں کہ جن کی فرقت نے اجسام کو مضمحل کر دیا مگر ان کا جانا ارواح کے لئے تازیانہ ثابت ہوا کہ :

ع لے زفرصت بے خبر در ہر چہ ہاشی زود باش

۱ ـــــ حضرت مولانا غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جنہوں نے ڈیرہ غازیخاں کی پیارے والی مسجد میں عمر بتا دی۔ مجلسِ احرارِ اسلام کے اکابر و اصاغر کے علاوہ تمام ہم مسلک علماء کو تبلیغِ دین کے خوبصورت مواقع فراہم کئے۔

۲ ـــــ حضرت مولانا عبدالغنی جاجروی رحمۃ اللہ علیہ (رحیم یار خان) تمام زندگی قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس میں صرف کر دی ایک عظیم الشان مدرسہ اپنی یادگار چھوڑا۔

۳ ـــــ مولانا محمد امین اللہ چوہان رحمۃ اللہ علیہ (رحیم یار خان) عمر بھر درس و تدریس میں مشغول رہے۔ آپ مولانا عبدالحق چوہان کے رضاعی بھائی تھے، مولانا عبدالغنی رحمۃ اللہ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ عجیب اتفاق ہے کہ استاذ کی وفات کے چوبیس گھنٹوں بعد آپ بھی عقبیٰ کو سدھار گئے۔

۴ ـــــ حضرت مولانا حبیب گل صاحب (کوہاٹ) زندگی بھر تبلیغ دین اور قیامِ حکومتِ الٰہیہ کے لئے سرگرم عمل رہے۔ آپ گو جمعیتِ علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے کام کرتے رہے مگر کام دین کا ہی کرتے رہے۔

۵ ـــــ حاجی غلام محی الدین صاحب مرحوم و مغفور تقسیم ملک سے قبل مجلسِ احرارِ اسلام سے وابستہ ہوئے مولانا گل شیر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں میں سے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت سے متاثر تھے۔ اپنا ظاہر ویسا ہی بنا لیا تھا۔ حضرت امیر شریعت کی جرأت بہادری اور دین کے لئے انکی ان تھک مساعی جب بیان کرتے تو

آبدیدہ ہو جاتے۔ راقم گزشتہ بیس برس سے تلہ گنگ جاتا رہا ہے۔ حاجی صاحب مرحوم ضعفِ پیری کے باوجود خود چل کر میرے پاس تشریف لاتے، ملتے، ماضی کے حسین چہرے سے نقاب اُلٹتے، احرار کی جدوجہد آزادی کے واقعات سُناتے اور عہدِ حاضر کے وعظ فروشوں سے اپنے اسلاف کا تقابل کر کے فرماتے حضرت "ان سے مت کیجیو وفا کی اُمید، یہ نہیں جانتے وفا کیا ہے۔" وفا تو اُحرار کے اکابر کے زمانے میں ہم نے دیکھی ہے۔ بڑا پیار پایا ہے ہم نے اُحرار سے، حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

۶ ——— بھا شبیر مرحوم و مغفور، گوجرانوالا کے اُحرار دوستوں کا تصور آتے ہی میری سوچ پر بھا شبیر کی صُورت اُبھر آتی ہے وہ کس قدر بہادر و جری تھا، وہ کتنا وفادار تھا، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ بالکل غریب آدمی تھا، مزدوری پیشہ تھا، تازہ روزی سے گھر چلاتا تھا، مگر جب بھی اُحرار نے کسی قومی، دینی موومنٹ کا فیصلہ کیا بھا شبیر کہا کرتا تھا: "چھڈ وجی، بیوی بچے دا اللہ وارث اے، مر وی تے جانا ای اے، جے ایس راہ تے تُر کے موت نوں لبیک کہنا اے تے ایہہ سودا سستا اے، پیر بخاری دے نال حشر دے بدلے سب دُکھ قبول نیں۔"

۷ ——— نعیم الحق مرحوم و مغفور، دُبلے پتلے سے منحنی وجود کا آدمی بظاہر نحیف و نزار مگر بباطن قوی و جی دار! آسی تخلص کرتے تھے۔ سیال کوٹ کی مردم خیز مٹی سے سر بلند ہوئے اور اسی میں پیوست ہو گئے۔ اعزّہ، اقربا، دوست ساتھی، سیاسی و سماجی کارکن سبھی پکیر یاس بنے، آسی کو کندھوں سے اُتار کر مٹی کی گود میں تنہا چھوڑ کر پلٹ آئے آسی کی قبر زبانِ حال سے کہہ رہی تھی ؎

دُبا کے قبر میں چل دیئے دُعا، نہ سلام
ذرا سی دیر میں کیا ہو گیا زمانے کو۔؟

اللھم اغفرلھم وارحمھم وعافھم واعف عنھم ———

ہم ان مرحومین کے لئے دُعا گو ہیں اور ان کے لواحقین اور متعلقین کے غم میں شریک ہیں۔ یا اللہ! رحم کر اور ہم زندہ مُردہ اُمتیوں کو بخش دے ——— آمین!

---

جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا اور گھر سے نماز کیلئے نکلا تو داہنے قدم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور بائیں قدم پر ایک گناہ مٹ جاتا ہے مسجد کا فاصلہ قریب ہو یا بعید۔ مسجد میں پہنچ کر جماعت سے نماز ادا کی اگر پوری جماعت مل گئی یعنی تکبیر تحریمہ میں شریک ہو گیا تو پورا اجر اور اگر اس کے مسجد میں پہنچنے تک سلام پھر گیا اور اس نے مسجد میں اپنی تنہا نماز پوری کی تو بھی پورا اجر ملے گا۔ (ابو داؤد)

مقالہ خصوصی

سید عطاء المحسن بخاری

# قومی ورثہ

"مادی عروج کے اس زمانہ میں یہ اصول تمام قوموں میں اب تسلیم کیا جا چکا ہے کہ قوموں کی تشکیل و تعمیر میں عقائد، اعمال، اخلاق، افکار و نظریات یہاں تک کہ رسوم بھی بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ اور کسی بھی قوم کی پہچان یہی بنیادی باتیں ہیں۔ اور اصلی عقائد و اعمال، اخلاق اور افکار و نظریات ہی قوموں کی نشو و نما کی اساس ہیں پھر جب قومیں تجربات کی بھٹیوں میں سے گزرتی ہیں تو یہی بنیادیں نکھر کر بہتر سے بہتر صورت اختیار کرتی چلی جاتی ہیں۔ اور ایک خوبصورت معاشرتی زندگی کا قومی ڈھانچہ بن سنور کر دیگر قوموں کی رہنمائی کا کردار بھی ادا کرتا ہے۔"

یہ خلاصہ ہے ان لوگوں کی گفتگو کا جو تعمیر سیرت اور قومی زندگی کی تشکیل کیلئے ٹی وی ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ پاکستانی مسلمانوں کو روز نئے سے نیا بھاشن دیتے ہیں اور اس پر قومی خزانے کا کروڑوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ اصول جو بیان کیا جاتا ہے۔ یہ کس کا مرتب کیا ہوا ہے؟ ظاہر ہے یہ حیوانی عقل و تجربہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا ایک فکر ہے جسے قومی اصول کا درجہ دیدیا گیا۔ ہمارے لئے ہرگز یہ ضروری نہیں کہ ہم اس سے اتفاق بھی کریں اور تسلیم بھی کریں، کیونکہ ایسے اصول جو چند مختلف رنگ و نسل کے لوگ اپنی برتری و تفوق کیلئے وضع کریں اور پراپیگنڈے کی مہم کے ذریعہ اسکو باور کرانے اور منوانے کی سرد جنگ لڑیں اور اس میں کامیاب بھی ہو جائیں تو یہ جدید دور کا "ٹیکنیکل جبر" ہی تو ہے۔

سائنسی ترقی کی بنیاد پر اقوام مغرب نے اپنے عقائد، اعمال، اخلاق، افکار و نظریات اور رسوم کا امتیاز بردست پراپیگنڈہ کیا کہ دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ اس سے مرعوب و متاثر ہوئے مسلمان قوم مسلمان کہلانے کے باوجود پراپیگنڈے کی اس یلغار کے سامنے ڈھیر ہو گئی ہمارے ادیب دانشور اور مفکرین، اقوام مغرب کا پس خوردہ کھا کر "ہم ہو گئے اسی کے جو نہ ہو سکا ہمارا" کا مکروہ اور قابل رحم نمونہ بن گئے اور ناقابل قبول حد تک مغرب کے نپٹ اندھے مقلد ہو کر رہ گئے۔ اور اس خود فراموشی میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ پوری قوم کو اسی راستے کا مسافر بنانے کی ٹھان لی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان قوم بحثیت قوم کے ذاتی عقل و تجربہ کی بناء پر قوم نہیں بنی بلکہ اپنے اساسی عقائد اعمال، اخلاق، افکار و نظریات اور رسوم، قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال اور ان کے تاریخی و عملی تسلسل کے نتیجہ میں متشکل ہوئی ہے۔ فرد کی سیرت ہو یا قومی زندگی، ہمارے ہاں دونوں کیلئے یکساں لائحہ عمل، عقل و تجربہ رسول ہے۔ ہماری عقل و تجربہ دنیا کے آخری دن تک اب اسی کے محتاج ہیں۔ اور یہی ہمارا قومی ورثہ ہے۔ ہماری اسلامیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے اس قومی فکری ورثہ کو آئندہ نسل کیلئے بہر نوع محفوظ کریں اور اس کے ابلاغ عام کیلئے تمام میڈیاز کو وقف کر دیں اور جتنا زور ہم اقوام مغرب کے فکر بد کو عام اور مسلط کرنے کے لئے صرف کر رہے ہیں۔ اس سے دس گنا زیادہ طاقت و توانائی اس بات پر صرف کریں کہ پاکستانی مسلم قوم کی انفرادی و قومی زندگی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیوۃ طیبہ کے نقوش جاوداں میں ڈھل جائے۔ نبی کو ماننے کا معنیٰ و مطلب ہی یہ ہے کہ ہم نے ذاتی عقل و تجربہ کے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور اس شکست